

اسلامی تاریخ کی شروع کی صدیوں میں یہ کام مسلمانوں نے بہت اچھی طرح انجام دیا۔ اس کی ایک خاص وجہ یہ تھی کہ ابتدائی صدیوں میں قرآن کی زندہ تفسیریں موجود تھیں۔ یعنی یہ لوگ اپنے عمل اور سیرت و کردار سے قرآن کو دنیا کے سامنے پیش کرتے تھے۔ اسی لیے پہلی صدی ہجری کے ختم ہوتے ہوئے اسلام مستند دنیا کے بیشتر گوشوں میں پھیل گیا۔ اور اس کی دعوت ایک عالمی دعوت بن گئی۔ لیکن بعد کی صدیوں میں دین اور سیاست کو آپس میں اس طرح الجھا دیا کہ باقی دنیا کے لوگوں نے یہ سمجھا کہ اسلام دراصل نام ہے سیاسی اقتدار کا۔ دو چار کچھ بھی کہ اسلام کا اصل مقصد صرف دنیا پر حکومت کرنا ہے اور دوسری قوموں پر غلبہ حاصل کرنا ہے۔ یہاں ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ سیاسی غلبہ حاصل کر کے غطلوں اور ملکوں پر حکومت تو کی جاسکتی ہے۔ دلوں پر نہیں۔ جب کہ اسلام کا مقصد دلوں کو فتح کرنا تھا۔ لہذا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شروع کی صدیوں میں مسلمانوں نے سیاسی اور ملکی فتوحات حاصل کی تھیں اسلام انہیں کے اندر سکڑ کر رہ گیا، اسی لیے بعد کے زمانے میں جو تفسیریں لکھی گئیں ان کا خطاب صرف ان مسلمانوں سے تھا جو اسلام کی سرحدوں کے اندر رہتے تھے۔ پھر بعد میں یہ طریقہ عام ہو گیا۔ اور اب تک ہمارے مفسرین اپنے وژن (Vision) کو وسیع کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ آج اس روئے زمین پر مسلمانوں کی تعداد تیس فیصدی سے زیادہ نہیں اور رسول برحق کی دعوت اس کی حقانیت اور اس کی فرطیت میں کوئی فرق نہیں آیا تو سوال یہ ہے کہ یہ ہیں فیصدی مسلمان یہ کیوں نہیں سوچتے کہ باقی اسی فیصدی انسانوں کو بھی اللہ کے دین میں تلقین و تبلیغ کے ذریعہ لانا ان کا دینی فریضہ ہے۔ اس بحث کی تحقیق خود اپنی جگہ پر ایک بڑا مسئلہ ہے۔ لیکن اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ کسی زمانے میں مسلمانوں نے پورے قرآن کو اس کی بنیادی تعلیمات کو اس کی حقیقی دعوت کو غیر مسلم دنیا کے سامنے اجتماعی اور منظم طور پر پیش نہیں کیا۔ آج اس کام کی جتنی ضرورت ہے۔ شاید پہلے کبھی نہ تھی۔ آج کا انسان اخلاقی و روحانی طور پر نہ صرف حد سے زیادہ بھٹکا ہوا ہے بلکہ وہ اپنی روحانی نشانی کے لیے سرگرداں اور متلاشی بھی رہے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ آج شرفساد کے طوفان میں وہ کیسے زندہ رہے۔ کہاں سے ہدایت حاصل کرے۔ ایسے میں کاش ہمارے مفسرین حضرت محمد ﷺ کی عالمی دعوت کو پھر سے دنیا کے سامنے پیش کرنے کی سعی کریں۔ کیا یہ وہی کتاب الہی نہیں کہ جس نے ہمیں بریں کی قلیل مدت میں عرب میں ایک زبردست اخلاقی اور روحانی انقلاب برپا کیا تھا۔ آج دنیائے اسلام جس طرح اپنے مسائل میں گھری ہوئی ہے۔ اور وہ صرف اپنے ہی مسائل کے بارے میں سوچتے رہتے ہیں۔ اسی طرح دین اسلام کا تعلق بھی صرف مسلمانوں سے رہ گیا ہے۔ وہ اپنے ہی اندر ایک دوسرے سے الجھتے رہتے ہیں۔ انہیں کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ اپنے حالات

قرآن کی جامع اور متفق علیہ تفسیر کی ضرورت

ڈاکٹر ریحانہ فردوس

اسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی

قرآن کا ابتدائی خطاب تمام انسانیت سے تھا اسی لیے کئی سورتیں جو مقدار کے اعتبار سے قرآن کے آدھے سے زیادہ حصے پر مشتمل ہیں اور جن کا تعلق زیادہ تر ایمان اور عقیدہ سے ہے۔ ان میں اکثر و بیشتر دنیا کے عام انسانوں کو خدا کے دین کی طرف دعوت دی گئی ہے۔ مدنی سورتوں میں بھی اگرچہ احکام کا مخصوص خطاب اہل ایمان کی طرف ہے۔ لیکن ان کی عام روح تمام انسانوں کی طرف متوجہ ہے اور عمومی طور پر پورے قرآن کے اندر ہر جگہ یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ کتاب تمام انسانوں کے لیے نازل ہوئی ہے۔ اس کا مقصد پوری نوع بشر کی ہدایت کرنا ہے۔ جس طرح آنحضرت ﷺ نے خدا کے دین کو تمام انسانوں کے سامنے پیش کیا تھا۔ یہاں ہم یہ سوال اٹھانا چاہتے ہیں کہ کیا ہمارے مفسرین نے بھی اپنے اپنے دور میں یہی طریقہ اختیار کیا اور قرآن کی جملہ تعلیمات کو تمام انسانوں کے سامنے پیش کیا اور اس کتاب الہی کو انسانوں کے لیے جامع ہدایت سمجھ کر تمام دنیا والوں کے لیے مکمل تشریح و تفسیر کے ساتھ پیش کیا؟ کیا انہوں نے کبھی قرآن کو اسلام کی عالمی دعوت کا اصل الاصول بنا کر انسانوں کے سامنے پیش کیا؟ کیا تاریخ کے مختلف ادوار میں مفسرین نے قرآن کی عمومی دعوت کو لے کر اس کی تشریح و تعبیر کرتے ہوئے اسلامی دنیا سے باہر کہیں کا رخ کیا؟

تاریخ کا ایک طائرانہ جائزہ لیا جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس سوال کا سو فیصد مثبت جواب دینا مشکل ہے۔ اسلام اور قرآن کی دعوت کو باقی دنیا کے سامنے پیش کرنا سب مسلمانوں کا فریضہ ہے۔

درست کر کے اس عالمی فریضے کی طرف بڑھیں جس کی طرف قرآن نے ان کو مستقل دعوت دی ہے۔

کیا قرآن کے مرکزی تصورات کو کسی نے مربوط انداز میں پیش کیا ہے؟

قرآن کے مطالعے کے سلسلے میں یہ بات بے حد اہم ہے کہ ہمیں پہلے یہ معلوم ہو کہ اس کے اندر بنیادی اور اساسی وہ کون سے تصورات ہیں جن پر خدا کے دین کی عمارت کھڑی ہے۔ اور پھر یہ معلوم ہو کہ مجموعی طور پر قرآن کی تعلیمات اور ہدایت کا اصل مقصد کیا ہے؟ اور وہ کون سے بنیادی امور ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اور اپنی کتاب کے ذریعہ انسانوں کی رہنمائی اور ہدایت فرمائی ہے؟

ان چیزوں کا تعین اس لیے ضروری ہے کہ قرآن کوئی ادب اور فلسفے کی کتاب نہیں۔ بلکہ وہ کتاب ہدایت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس میں جو بھی ہدایت ہوگی وہ اتنی جامع، واضح اور قابل عمل فکریں میں ہوگی کہ جس کا احاطہ کرنا ایک عام انسان کے لیے آسان اور ممکن ہو۔ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ یوں تو قرآن میں بہت سے مضامین بیان ہوئے ہیں۔ جن کا تفصیلی تذکرہ تفسیروں میں ملتا ہے۔ لیکن دراصل قرآن کے اندر صرف چند بنیادی علوم بیان کیے گئے ہیں۔ اور ان کے علاوہ قرآن کے اندر جو کچھ کہا گیا ہے وہ انہیں امور کی تشریح و تفصیل ہے اور وہ یہ امور ہیں:

۱۔ عقائد۔

۲۔ خیر و شر کی تمیز۔

۳۔ ہدایت الہی کی ضرورت۔

۴۔ انسانوں کی ہدایت کے لیے اور ان کو اللہ کا حقیقی منشاء جاننے کے لیے نبی و رسول کی ضرورت۔

۵۔ ایک صالح معاشرے کی تشکیل اور اس کے لیے ضروری احکامات۔

۶۔ تمام انسانوں کو اللہ کی ہدایت کی طرف دعوت اور ان کو ایک ایمانی اور اخلاقی وحدت میں لانے کا بار اور منصوبہ۔

۷۔ عدل کا قیام۔

یہ ہیں وہ بنیادی مسائل جن کا تذکرہ قرآن میں بار بار آیا ہے۔ کہیں تفصیل سے اور کہیں اجمال سے۔ انہیں مقاصد کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کہیں تو اپنی بے شمار نعمتوں کا ذکر کیا ہے اور انسان پر اپنے انعامات اور احسانات کا۔ اور کہیں یہ فرمایا ہے کہ اس نے خود انسان کے نفس میں اور اس کے باہر یعنی آفاق میں بھی اپنی بے شمار نشانیاں رکھی ہیں۔ جن کو دیکھ کر وہ اپنے رب اور خالق کی حقیقت اور عظمت سے واقف ہو سکتا ہے۔ اور خوشی سے اس کی طاعت و بندگی قبول کر سکتا ہے۔ اور

کہیں گزشتہ اور تا فرمان قوموں کے عبرت تاک انہام کا تذکرہ کرتا ہے۔ اور فرماتا ہے کہ اس نے تمام کائنات اور انسانوں کے لیے ایک قاعدہ مقرر کیا ہے۔ جو اس کی حکمت و دانائی پر مبنی ہے۔ اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ اس لیے کوئی انسان یا انسانی گروہ اگر اللہ کی سنت کو چھوڑ دے تو اس کا وہی انجام ہوگا جو پہلی قوموں کا ہو چکا ہے۔ پھر اس نے تمام انسانوں سے یہ فرمایا ہے کہ ہمارے احکامات، ہمارا بار اور منشا جاننے کے لیے ضروری ہے کہ تم انبیاء علیہم السلام کی طرف رجوع کرو اور ان کی پیروی کرو۔ تاکہ احکام کی اصل روح اور حقیقت تم پر واضح ہو۔

قرآن کے ان بنیادی مقاصد کی تعلیم اور ان تمام جزوی باتوں اور احکام کا مقصد اولاً یہ ہے کہ دنیا میں انسان ایک اچھا، نیک اور عادل و معاشرہ قائم کریں۔ اور اس کے اندر وہ کمال اللہ کی طاعت و بندگی کا صحیح مظاہر کر سکیں۔ اور اس طرح دنیاوی زندگی میں اپنے اخلاقی اور اجتماعی حالات کو درست کر سکیں اور دنیا جب اس دنیا سے دوسری دنیا میں جائیں تو وہاں بھی ان کی سعادت اور خوشی کا سلسلہ جاری رہے۔ اور جس طرح وہ اس دنیا میں اللہ کی عنایات کے مستحق ہوتے تھے اسی طرح دوسرے عالم میں بھی اسی کے مستحق ہوں۔ قرآن میں بہت سے جزوی مسائل ہیں جن کا تعلق انہیں بنیادی امور سے ہے جن کا ہم نے اوپر تذکرہ کیا ہے۔ عام طور پر تفسیروں میں یہ باتیں الگ الگ تو بیان ہوئی ہیں مگر ان جزئیات کو ان کلیات سے مربوط کر کے بیان نہیں کیا جاتا۔ جس کی وجہ سے مختلف تفسیروں کو پڑھنے کے بعد یہ تاثر قائم نہیں ہوتا کہ کتاب اللہ کے یہ واضح اور متعین مقاصد ہیں۔

پھر ان مرکزی تصورات کو اس طرح بھی پیش کیا جاسکتا ہے کہ تمام دنیا کے لوگ ان کی طرف متوجہ ہوں اور سمجھیں کہ یہ دعوت اللہ کی طرف سے آئی ہے۔ جیسا کہ قرآن نے اعلان کیا کہ ان صواۓذ کر للعالمین۔ یہ ہدایت الہی سارے انسانوں کے واسطے ہے۔ اس کے علاوہ اس نے یہ بھی فرمایا کہ ہم نے محمد ﷺ کو سارے عالموں کے لیے رحمت اور بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ قرآن کی دعوت کو عالمی دعوت بنا کر پیش کرنے کے دو ہی طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ قرآن کو پوری تفصیل اور وضاحت کے ساتھ اہل عالم کے سامنے پیش کیا جائے اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ نبی رحمت ﷺ کی سیرت کو بھی اس کے اصلی رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اگر اسلام کی دعوت کو دنیا کے سامنے پیش کرنا ہے تو یہ دونوں کام از سر نو کچھ اصول و ضوابط طے کر کے دوبارہ کرنے چاہئیں۔ ایسی تفسیریں جو صرف مسلمانوں کے لیے لکھی گئی ہوں اس فریضہ کو ادھرائیں کر سکتیں۔ مفسرین کو دنیا کے حالات اور تمدن عالم کے مسائل کو پیش نظر رکھ کر قرآن کی

کرے۔

کیا قرآن آج بھی تمام انسانوں کو کامل ہدایت مہیا کر سکتا ہے؟

جس بات میں مسلمان دورائے نہیں رکھتے کہ قرآن کتاب ہدایت ہے۔ اور جو ہدایت ایک فرد یا ایک قوم کے لیے ضروری اور کافی ہوگی۔ وہی دوسرے افراد اور اقوام کے لیے کافی ہو سکتی ہے۔ ہدایتیں مختلف قسم کی نہیں ہوتیں۔ ہدایت تو صرف ایک ہی ہوتی ہے۔ اور یہی ہدایت وہی ہے جو خدا کی طرف سے ہو اور اس کے انبیاء کے ذریعہ انسانوں تک پہنچی ہو۔ جب قرآن مجید نے آنحضرت ﷺ کو تمام عالم کی طرف نبی بنا کر بھیجا اور فرمایا: **وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ** (28:34) اے محمد ﷺ ہم نے تمہیں تمام انسانوں کے واسطے خوشخبری سنائے والے، ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور فرمایا: **وَاللَّهُ لَمَنَّانٌ** (107:21) اور ہم نے تمہیں تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ تو اس سے خدا کا مظاہر ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ ہدایت جو اس نے اپنے نبی کے ذریعہ دنیا میں بھیجی ہے وہ تمام عالم کے لیے کافی ہے۔ اور چونکہ آنحضرت خاتم النبیین ہیں۔ ان پر دین کی تکمیل ہو گئی۔ اور آپ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر اپنی نعمت کو مکمل کر دیا۔ تو یہی مکمل دین اور یہی مکمل نعمت ہر دور ہر زمانے اور ہر جگہ کے انسانوں کے لیے کافی ہوگی۔ انسان خواہ آنحضرت ﷺ کے دور کا ہو یا بعد کے دور کا ہو۔ اور دنیا کے کسی خطے کا اس کو ہدایت صرف یہیں سے مل سکتی ہے۔ اور جب خدا کا دین کامل ہو گیا تو یہ ہدایت بھی ہر پہلو سے کامل ہدایت ہے۔ اس سے باہر ہدایت تلاش کرنا صرف گمراہی ہے۔

مختصر یہ کہ آج بھی دین اسلام تمام دنیائے انسانیت کی اخلاقی، دینی و جہانی کر سکتا ہے اور اس کے دامن کے علاوہ انسانیت کو کہیں پناہ نہیں مل سکتی۔ پھر جب ہم اس ہدایت کے اساسی اصولوں پر غور کرتے ہیں۔ تو یہ بات واضح ہو کر سامنے آ جاتی ہے کہ ہدایت تو صرف یہی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: **ان اللہین عند اللہ الامسلام**۔ کہ دین تو خدا کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ اس ہدایت کے دو بنیادی عناصر کا ذکر ہم نے اوپر کیا۔ کچھ اور پہلو یہاں بیان کرتے ہیں، جن سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ یہ ہدایت کس طرح آج بھی تمام انسانیت کے لیے بہترین ثابت ہو سکتی ہے۔ اس سلسلے میں ایک بات تو یہ ہے کہ شخص زبانی اور علمی طور پر کوئی ہدایت مؤثر نہیں ہو سکتی جب تک اس کا عملی نمونہ سامنے نہ ہو اور زندگی کے عام حالات میں اس کی تصویر نظر نہ آئے اس کی حقیقت سمجھ میں نہیں آ سکتی اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو دنیا میں بھیجا۔ آپ ﷺ نے ایک طرف تو خدا کی کتاب اور دین کی علمی اور

تفسیر بیان کرنا ہوگی۔ قرآن کے مرکزی اور اساسی تعلیمات پر مفسرین کا اتفاق انتہائی ضروری ہے۔ موجودہ تفسیروں میں جو انتشار پایا جاتا ہے اسے دور کرنا بے حد ضروری ہے۔ علمائے مفسرین اس اتفاق کو ایک جامع تفسیر کی شکل میں پیش کریں جس کا سمجھنا سب کے لیے آسان ہو اور یہ معلوم ہو کہ جملہ طور پر زندگی کے حقائق اور مسائل کے بارے میں قرآن کی یہ تعلیمات ہیں۔ ضروری نہیں ہر مسئلے پر سب کا اتفاق ہو۔ لیکن بنیادی مسائل پر تو اکثریت کا اتفاق ہو سکتا ہے اور یہ اسلام کی عالمی دعوت کے لیے ضروری بھی ہے۔ اس کے نہ ہونے سے تاریخ میں اسلامی معاشرہ ہمیشہ انتشار کا شکار رہا۔ مختلف مذاہب تفسیر پیدا ہوئے اور قرآن کی متضاد تفسیریں لکھی گئیں۔ لہذا اس سے اسلام کا اصل پیغام نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ علماء کی ایک بڑی جماعت ایک ساتھ بیٹھ کر قرآن کے معانی اور احکام پر غور کرے اور ان کی روشنی میں قرآن کی ایک مشترکہ تفسیر تیار کرے۔ اس سے نہ صرف مسلمانوں کو فائدہ ہوگا بلکہ غیر مسلموں کو بھی اسلام کی دعوت کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔ مغرب میں بائبل کے متعلق کئی بار اس طرح کا کام ہو چکا ہے۔ اگرچہ وہاں عیسائی فرقوں کی تعداد ان گنت ہے۔ اس کے باوجود وہاں کے لوگ کتاب مقدس کے جملہ احکام اور اس کی ہدایت کے بارے میں بڑی حد تک متفق ہیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوا ہے کہ عیسائی مبلغین اس کتاب کو لے کر دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل گئے ہیں اور اس کی تعلیم سے کروڑوں انسانوں کو عیسائیت کے دائرے میں داخل کر لیا ہے۔ لیکن مسلمان تو خود اپنی کتاب پر متفق نہیں ہیں۔ تو وہ دوسروں کو اس کی تبلیغ کیسے کریں گے۔ مثلاً ایک ظاہری تفسیر ہے اور ایک باطنی دونوں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ یہ دونوں باتیں عام انسانوں کے سامنے کیسے پیش کی جاسکتی ہیں۔ اسی طرح ایک خالص روایتی تفسیر ہے جو احادیث اور آثار پر مبنی ہے مگر اس میں حدود و اختلاف رائے ہے۔ اس تفسیر کو آج کس طرح سمجھا جائے۔ اسی طرح مختلف زاویوں سے تفسیریں لکھی گئیں جو اکثر ایک دوسرے سے متضاد ہیں۔ ان حلیفات سے قرآن کو سمجھنے میں مدد کم ملتی ہے رکاوٹ زیادہ پیدا ہوتی ہے۔ لیکن ایک بات بالکل واضح ہے کہ دنیا کا ہر مسلمان چاہتا ہے کہ قرآن کے تمام ارشادات اور اس کی ہدایت کو ایسی زبان ایسے ہر اسے میں بیان کیا جائے جو سمجھ میں آئے تاکہ اس پر عمل بھی ہو سکے۔ یہ کام ہر دور میں ہو سکتا تھا اور آج بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن اسلام کی پوری تاریخ میں ایک مرتبہ بھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی ایک تفسیر ایسی تیار کی گئی ہو جس پر سب متفق ہوں۔ ہمارے نزدیک یہ قرض امت مسلمہ پر ابھی تک باقی ہے۔ وہ اپنی ذمہ داری کو سمجھے اور قرآن کی ایک جامع اور متفق علیہ تفسیر دنیا کے سامنے پیش

زبانی توضیح فرمائی۔ اور دوسری طرف اپنے عمل اور سیرت سے اس کا مفہوم واضح کیا۔ اور انسانوں کے لیے بہترین انسانی نمونہ پیش کیا۔ اور یہی وہ نمونہ ہے جو نہ صرف ملت مسلمہ کی وحدت کا راز ہے۔ بلکہ یہی وہ معیار ہے جس پر تمام انسانیت متحد اور متفق ہو سکتی ہے۔ کیونکہ خیر اور اخلاق کا دنیا میں سب سے اچھا نمونہ وہی ہے جو آغوشِ نبوت نے پیش کیا۔

لہذا اگر وہ اس نمونہ کو اختیار کریں تو یقیناً ان کو وہ سعادت اور اطمینان مل سکتا ہے۔ وہ وہ حافی تسکین حاصل ہو سکتی ہے۔ جس کی دنیا ہمیشہ سے پیاسی رہی ہے اور آج بھی ہے۔ اس ہدایت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس دنیا میں خوش آئند زندگی گزارنے کے کچھ احکامات دیے ہیں جن پر عمل کر کے وہ نیکی اور عدل کی زندگی گزار سکتے ہیں۔ یہ عادات زندگی دراصل اخروی سعادت اور فلاح کی ضمانت ہے۔ اسی کو اسلام کی زبان میں عقیدہ آخرت کہا گیا ہے۔ جب تک انسان کے سامنے جو ابدی کا یہ تصور نہ ہو اس سے تمام تر خیر کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ اس عقیدہ پر تمام دنیائے انسانیت کو جمع کیا جاسکتا ہے۔

ان تصورات کے ساتھ اسلام نے معاشرہ انسانی کے لیے کچھ قدریں بھی دی ہیں۔ انہیں میں سے ایک وحدت انسانیت کا نظریہ ہے۔ اس تصور کو قرآن نے بہت زور سے پیش کیا ہے۔ اس کی مثال دنیا کے کسی مذہب اور کسی تمدن میں نہیں ملتی۔ قرآن میں بار بار آیا ہے کہ اللہ نے تمام انسانوں کو ایک ہی اصل سے پیدا کیا ہے۔ اور ان کو ایک ہی دین کے تابع رکھا تھا۔ لیکن بعد میں انہوں نے اپنے جداگانہ طرز زندگی اختیار کر لیے۔ مختلف گروہوں میں بٹ گئے مگر اسلام کی دعوت آج بھی یہی ہے۔ اگر تمام دنیا اس خاص دین پر مجتمع ہو جائے جس پر وہ ابتداء میں تھی۔ تو قوموں اور ملکوں کے جھگڑے بڑی حد تک مٹ سکتے ہیں۔ اگر نہ بھی نہیں تو جتنی اور جذباتی طور پر دنیا کے انسان یہ محسوس کرنے لگیں گے کہ وہ ایک ہی نسل اور ایک ہی امت کے افراد ہیں۔ اور یہ اپنی جگہ خود ایک نعمت ہے۔

انسانی معاشرے کی صحت و خوشحالی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک تصور اور دیا ہے کہ انسان ہونے کے ناطے تمام انسان برابر ہیں۔ رنگ نسل اور قومیت کی کوئی اصل نہیں اور اسلام اس کا کوئی اعتبار نہیں کرتا۔ اگر ان تعصبات کا خاتمہ ہو جائے تو بڑی حد تک دنیا کے انسان ایک ہو جائیں۔ بہت سے مسائل حل ہو جائیں اور بین الاقوامی تعلقات کے بہت سے مسائل اور مشکلات آسانی سے حل ہو جائیں۔ اور اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ایک اور حقیقی اصول "اخوت" کا دیا ہے۔ فرمایا کہ جو لوگ خدا کے دین میں شریک ہوں تو وہ آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ یعنی دین کی وحدت سے ایک ایسا رشتہ پیدا

ہو سکتا ہے جو تمام دوسرے انسانی رشتوں سے زیادہ مضبوط ہو سکتا ہے۔ جب تمام انسان خدا کے دین کو قبول کر کے رشتہ اخوت میں منسلک ہو جائیں تو ان کو نہ صرف باہمی تقویت اور خوشی حاصل ہوگی بلکہ دنیا سے شر اور فساد بھی مٹ جائے گا۔ یہ سب دنیا کی باتیں نہیں۔ بلکہ تاریخ کے ایک وسیع دور میں ان قدروں پر عمل ہو چکا ہے۔ اور آج بھی دنیا میں یہ قدریں زندہ ہیں۔ اس لیے ہدایت کی یہ تصویر قرآن کی تفسیر کے ذریعے دنیا کے سامنے پیش کی جائے تو وہ دنیا کے انسانیت کے لیے یکساں مفید ہو سکتی ہے۔ یقیناً اسلام ہی دین انسانیت کے اور اسی کے ذریعہ دنیا کو کامل ہدایت مہیا کی جاسکتی ہے۔ لہذا خدا کی کتاب ہدایت یعنی قرآن مجید کو دنیا کے لوگوں کے سامنے اس انداز سے پیش کیا جائے کہ دنیا کے لوگ یہ نہ سمجھیں کہ یہ مسلمانوں کا قرآن ہے بلکہ یہ سمجھیں کہ یہ اللہ کا قرآن ہے۔

قرآن مجید کے آٹھ
منتخب اردو تراجم کا تقابلی جائزہ
(تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی)

ڈاکٹر حافظ محمد فاضل اوج
صفحات: ۲۶۳

قیمت: ۳۰۰ روپے

ناشر: دارالتذکیر

رحمن مارکیٹ، غزنی اسٹریٹ

لاہور

اہل ہند پر ”صائبین“ کا اطلاق

محمد اعظم سعیدی

مہتمم جامعہ اسلامیہ کورے وال ٹرسٹ

ان الذین امنوا والذین ہادوا والنصری والصنبن من امن بالله والیوم الآخر وعمل صالحاً فلہم اجر ہم عند ربہم ج ولا خوف علیہم ولا ہم یحزنون۔

ترجمہ۔ بیشک اہل ایمان اور جو لوگ یہودی ہیں اور نصاریٰ اور صائبین ہیں (ان میں سے) جو شخص بھی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے اور عمل صالح کیلئے توان کے لئے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (سورہ بقرہ آیت ۶۲)

اس آیت مبارکہ کا مختصر مفہوم یہ ہے کہ وہ لوگ جو مسلمان ہیں، یہودی، نصرانی اور صائبین ہیں ان میں سے جو بھی اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان لائے گا ان کے اس عمل کا اجر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے مگر اس آیت میں میرا موضوع تحقیق صرف صائبین ہیں کہ یہ قوم کون سی قوم ہے؟ اس کا مسکن کہاں ہے؟ یہ قوم کس مذہب کی پیروی کرتی ہے؟ اس کا شمار اہل کتاب میں ہے یا مشابہ اہل کتاب میں ہے یا یہ محض تخیلات کے پیروکار ہیں؟

قرآن مجید میں کئی ایک بڑی بڑی معروف قوموں کے نام موجود ہیں جن میں سے چند ایک ایسے نام بھی ہیں جن کے بارے میں ہمارے مفسرین و مومنین کا حال یہ حتیٰ فیصلہ نہیں کر سکے کہ یہ کون سی قومیں ہیں ان میں سے ایک صائبین ہیں۔ یہ قوم بہت بڑی قوم تھی اور قرآن مجید نے بھی اس منفرد قوم کا مسلمانوں، یہود اور نصاریٰ جیسی بڑی قوموں کے ساتھ ذکر کر کے اسے ایک اہم قوم قرار دیا ہے چنانچہ صائبین کو بھی ان تینوں قوموں کی طرح ایک بڑی مذہبی قوم کی حیثیت سے ہونا چاہیے۔ مگر ہمارے محققین، مفسرین، محدثین اور فقہاء عظام نہ صرف اس قوم یا امت کا متفقہ دائرہ تعین نہیں کر سکے بلکہ اپنے مختلف فیہ اقوال کے باعث صائبین کی شناخت کو مزید دھندلا گئے ہیں یہی وجہ ہے کہ اب قاری کا حقیقت تک پہنچنا مشکل تر ہو گیا ہے ان مختلف فیہ اور غیر تحقیقی اقوال کی ایک جھلک ملاحظہ ہو

حضرت حسن بصری صائبین کو ملائکہ پرست قرار دیتے ہیں۔
بقول فقید ابواللیث سمرقندی، امام ابویوسف اور امام محمد انہیں فرشتوں کا پجاری قرار دیتے ہیں۔
مجاہد کا ایک قول یہ ہے کہ صائبین کا کوئی دین نہیں ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ یہودیوں اور مجوسیوں کے درمیان کی ایک قوم ہے۔
ظلیل کا قول یہ ہے کہ صائبین کا دین نصاریٰ کے دین کے مشابہ ہے مگر یہ قوم حضرت نوح کے دین پر ہونے کی دعویٰ دے رہے ہیں۔

علامہ محمود آلوسی فرماتے ہیں کہ وہم کے صائبین ستارہ پرست ہیں جبکہ ہندوستان کے صائبین بت پرست ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ صائبین بت پرست نہیں بلکہ یہ لوگ ستاروں کی اس طرح تعظیم کرتے ہیں جیسے ہم کعبہ کی تعظیم کرتے ہیں نیز ایک قول یہ ہے کہ یہ لوگ موجد ہیں اور ستاروں کی تائید کا اعتقاد رکھتے ہیں۔

شیخ الحدیث علامہ علامہ رسول سعیدی، علامہ قرطبی کے حوالے سے رقمطراز ہیں۔ اسحاق نے کہا صائبین اہل کتاب کا ایک فرقہ ہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا کہ ان کا ذکر کھانے اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

علامہ بیضاوی نے بھی ایک قول نقل کیا ہے کہ صائبین ستارہ پرست ہیں۔
ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ صائبین زبور کرچنے والا اہل کتاب کا ایک فرقہ ہے۔
علامہ شامی لکھتے ہیں کہ صائبین کا قول یہ ہے کہ صائبین کا ذکر کھانے سے منع ہے کیونکہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اقرار کرتے ہیں اور بدائع میں مذکور ہے کہ صائبین زبور کو اپنی کتاب مانتے ہیں اور ممکن ہے ان کے بہت سے فرقے ہوں۔

مولانا حسین علی واں بھگوان ابن کثیر کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ صائبین یہ لوگ بھی اہل کتاب ہی کا ایک گروہ ہیں فرقہ من اہل الکتاب۔
مولانا محمد احمد اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں اور صائبین، مراد وہ فرقہ ہے جو ستاروں کی عبادت کرتے تھے یا فرشتوں کو پوجتے، ایمان کے قدیم آتش پرستوں کو اور ہندوستان کے قدیمی بت پرستوں کو اس فرقہ کی شاخیں ہونا بتلایا گیا ہے۔

ہمارے مفسرین و فقہاء کے مذکورہ اقوال سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ صائبین ملائکہ پرست یعنی

فرشتوں کے پجاری ہیں۔۔۔ بے دین ہیں۔۔۔ یہودیوں اور عیسائیوں کا کچھر ہیں۔۔۔ ان کا دین عیسائیوں کے دین کے مشابہ ہے۔۔۔ یہ اپنے آپ کو دین نوح کا پیروکار کہتے ہیں۔۔۔ رومن صابئی ستارہ پرست ہیں۔۔۔ ہندوستانی صابئی بت پرست ہیں۔۔۔ ستاروں کو موثر مانتے ہیں۔۔۔ یہ بت پرست نہیں۔۔۔ ستاروں کی تعظیم کرتے ہیں جیسے ہم کعبے کی تعظیم کرتے ہیں۔۔۔ یہ موجد ہیں۔۔۔ اہل کتاب کا ایک فرقہ ہیں۔۔۔ ایران کے آتش پرست اور ہندوستان کے بت پرست صابئی ہیں۔ زبور پڑھنے والے اہل کتاب ہیں۔ ان کا ذبیحہ حلال ہے اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔۔۔ یعنی مذکورہ گیارہ حوالوں میں صائبین کو پندرہ شکلوں میں منقسم کیا گیا ہے، یہ جھلک صورتحال اس لئے پیدا ہوئی کہ صائبین ایک انتہائی قدیم قوم ہے جو روم، جزیرۃ العرب، شمالی افریقہ، فارس اور ہندوستان میں مقیم تھی، یہ قوم مختلف خطوں میں منقسم ہونے کے ساتھ ساتھ مختلف فرقوں میں بھی جٹی گئی تھی وجہ ہے کہ محققین کو اس کی شناخت میں دقت پیش آئی۔

صائبین کی شناخت کا ایک دوسرا طریقہ بھی ہے وہ یہ کہ قرآن مجید میں جن صاحبہ شریعت رسولوں کا ذکر خصوصی اہمیت کے ساتھ بار بار آیا ہے ان میں حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَابْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ ابْنِ مَرْيَمَ ۚ وَمِنْهُمْ مِثَاقًا غَلِيظًا ۖ

ترجمہ۔ اور جب ہم نے لیا نبیوں سے ان کا اقرار اور آپ سے اور نوح و ابراہیم سے اور موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم سے اور لیا ہم نے ان سے پکا عہد و اقرار (سورہ احزاب آیت ۷)

اسی طرح ایک اور آیت میں فرمایا گیا ہے شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا والذی او حینما الیک وما وصینا بہ ابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ ان اقموا الدین ولا تتفرقو فیہ۔ (ترجمہ) تمہارے لئے (اللہ نے) وہی دین مقرر فرمایا ہے جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جس کو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے اور جس کا ہم نے حکم دیا تھا ابراہیم کو اور موسیٰ کو اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو یہ کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا (سورہ شوریٰ آیت ۱۳)

سورہ احزاب کی آیت (۷) میں پختہ عہد و اقرار کے حوالے سے جن پانچ محترم و مکرم رسولوں کا نام لے کر ذکر کیا گیا ہے انہی پانچ رسولوں کو عطا ے دین اور پھر اسکو اپنی اپنی امتوں میں قائم رکھنے اور

تفرقہ نہ ڈالنے دینے کا حکم سورہ شوریٰ میں دیا گیا ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کا حکم و محکم دین تمام انبیاء علیہم السلام میں مشترک ہے اور تمام انبیاء و مرسلین اصول عقائد اور مہمات دین میں بھی مشترک ہیں مگر یہ اشتراک حضرت نوح علیہ السلام سے شروع ہوتا ہے اس لئے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد حضرت شیث کے آخری عہد اور حضرت نوح علیہ السلام کے ابتدائی عہد تک انسانوں میں کفر و شرک کی آمیزش ہو چکی تھی اس لئے حضرت نوح پیغمبر صاحب شریعت رسول ہیں جن کو یہ مہمات و معاملات پیش آئے اب صائبین کی شناخت اور احزاب و شوریٰ کی آیات کے دونوں زوایوں میں تطبیق اس طرح دی جائے گی کہ جس طرح بڑی بڑی قوموں، مسلمان، یہودی، عیسائی اور صائبین (بقراءہ آیت ۶۲) کا ایک ساتھ ذکر ہوا ہے اسی طرح صاحبہ شریعت رسولوں حضرت محمد مصطفیٰ، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ذکر وہی دین کے حوالے سے ایک ساتھ ہوا ہے۔ مسلمان، یہودی اور عیسائی اپنے اپنے پیغمبروں کی امت سے معروف و مشہور ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے قرآن میں مذکور تو ہیں۔ (۱۲) مگر مفقود ہیں لیکن ان کا دین، دین حنیف اور ان کی امت خطاء مکہ کتب تواریخ و تذکرہ میں موجود و مذکور ہیں لیکن حضرت نوح علیہ السلام کے دین اور ان کی قوم ولایت کا کہیں نام و نشان نہیں ملتا۔ اسی طرح صائبین جیسی بڑی قوم کی محققین کی طرف سے کوئی ملاحظہ نشاندہی نہیں ملتی۔ ایران و جزیرۃ العرب کے مفسرین عظام کے اقوال اور چند صحابہ و تابعین کی روایات یا تو اسراہیلیات سے ماخوذ ہیں یا محض قیاسات ہیں۔ نیز ہمارے مفسرین، محدثین، مورخین اور فقہاء عظام نے صائبین کا جو حدود و اربعہ متعین فرمایا ہے وہ شام، عراق اور ایران کی تفصیل میں ہے، شام اور عراق میں صی نام کا ایک بہت ہی اقلیتی فرقہ پایا جاتا تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہودی کا دعویدار تھا یہ فرقہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ما قبل کے تمام انبیاء کرام کو تسلیم کرتا تھا لیکن مابعد کے کسی نبی کو نہیں مانتا تھا ہمارے اہل علم اسلاف نے زیادہ تر اسی صی فرقہ کو صائبین قرار دیا ہے۔

سورہ احزاب اور شوریٰ کی آیات کے پیش منظر میں قرآن اس بات کی واضح نشاندہی کرتے ہیں کہ صائبین ہی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم ہیں جیسا کہ ابتداء میں گذر چکا ہے نیز مولانا مٹس نوید عثمانی لکھتے ہیں کہ تفسیر ابن کثیر میں عبدالرحمن بن زید کا یہ قول درج ہے کہ صائبین اپنے آپ کو حضرت نوح کے دین پر مانتے تھے۔ ۱۳ اس کے علاوہ صائبین کو اہل کتاب یا اہل کتاب کا فرقہ بھی کہا گیا ہے جیسا کہ ابتداء میں مذکور ہوا مگر ان کی کتاب کی نشاندہی کسی نے نہیں کی۔

صائبین کی شناخت کا تیسرا طریقہ اقوام کی تقسیم کے حوالے سے بھی متعین کیا جاسکتا ہے جیسا کہ سید سلیمان

ندوی لکھتے ہیں اسلام نے دنیا کی تمام اقوام کو چار انواع میں تقسیم کیا ہے اول مسلمان یعنی جو لوگ قرآن مجید کو آخری الہامی کتاب اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو آخری نبی مانتے ہیں دوم اہل کتاب یعنی وہ اقوام جو قرآن میں مذکور آسمانی کتب و صحائف میں سے کسی ایک کے پیروکار ہوں، سوم مشابہ اہل کتاب یعنی وہ اقوام جو کسی آسمانی کتاب کی پیروی کے دعویدار ہوں لیکن وہ کتاب یا صحیفہ قرآن میں مذکور نہ ہو۔ چہارم کفار یعنی وہ منکرین قوم جس کی آسمانی کتاب کی پیروی نہ کریں ہیں۔ سید سلیمان ندوی کی تحریر کردہ ان انواع میں دوسرے قسموں کا اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ پنجم وہ قوم جو کہ اپنی کتاب کو آسمانی کتاب یقین کرتی ہو مگر قرآن اس کتاب کے معروف نام کی تصدیق نہ کرتا ہو لیکن اس کتاب کی بیشتر تعلیمات و احکامات الہامی کتب سے مشابہ ہوں، ششم وہ قوم جو کسی کتاب و صحیفہ کی دعویدار تو نہ ہو مگر اپنے عقائد کو الہامی تعلیمات کا حصہ سمجھتے ہوں جیسے مکہ کے خنساء۔

اقوام کی مذہبی تقسیم میں غور کرنے سے مسلمانوں، یہودیوں، عیسائیوں اور خنساء مکہ کی واضح نشاندہی ہو جاتی ہے کہ یہ قومیں حضرت محمد مصطفیٰ، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم الصلوٰۃ والسلام سے منسوب ہیں لیکن حضرت نوح کی قوم پر وہ انخلاء میں ہے اور قوموں میں صابئین کس تغیر کی قوم ہیں یہ بھی پر وہ انخلاء میں ہے ایسی صورت میں جب قرائن و قیاسات اس کی اجازت و شہادت دیتے ہیں اور ہمارے بعض علماء ان کو اہل کتاب، مشابہ اہل کتاب قرار دے کر ان کا ذبیحہ حلال اور ان کی خواتین سے نکاح کو جائز قرار دے چکے ہیں تو صابئین کو قوم نوح تسلیم کرنے میں منطقی طور پر کیا حرج ہے۔

صابئین کی شناخت کا چوتھا زاویہ اس طرح ہے کہ دنیا بھر کی تمام قوموں کو دو سطحوں یعنی سامی اور غیر سامی میں تقسیم کیا گیا ہے یہودیوں، عیسائیوں اور جزیرہ قلمائے عرب کے تمام بنی اسرائیلیوں کو سامی یعنی سیمیٹک (Semetic) نسل قرار دیا جاتا ہے جبکہ آریں قوموں کو غیر سامی یا آریں نسل شمار کیا جاتا ہے اس تقسیم کو بین الاقوامی طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ اس پر مزید طرہ یہ کہ قرآن مجید بھی نوح انسانیت کی دو سطحوں میں تقسیم کی تائید کرتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ ان میں سے ایک نسل کا تعلق حضرت نوح علیہ السلام سے ہے اور دوسری کا تعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہے جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ہے۔

اولئک الذین اٰھم اللہ علیھم من النبیین من ذریۃ ادم ومن حملنا مع نوح ذریۃ ابراہیم واسرائیل ومن حدینا داود و عیسیٰ علیہ السلام۔

ترجمہ۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے انبیاء سے جو کہ اولاد آدم سے ہیں۔ اور (ان کی اولاد میں سے) بعض کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا اور بعض ابراہیم و اسرائیل

(یعقوب علیہ السلام) کی اولاد میں سے ہیں جن کو ہم نے ہدایت دی اور ہم نے ان کو پسند کیا۔ ۱۵۱
اس آیت میں منعم علیہم انبیاء کرام کی دو سطحوں کا واضح ذکر ہوا ہے یعنی اولاد آدم میں سے حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار ہونے والوں کی نسل الگ ہے اور حضرت ابراہیم و حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل یعنی بنی اسمعیل و بنی اسرائیل الگ ہیں۔ یہ اسرا نظر من القس ہے کہ یہودی اور عیسائی بنی اسرائیل ہیں تو حجاز کے قبائل بنی اسمعیلی ہیں اور یہ دونوں اولاد ابراہیم ہیں جنہیں سامی کہا گیا ہے مگر حضرت نوح اور آپ کے ساتھیوں کی نسل کوئی ہے؟ تو لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ صابئین ہی حضرت نوح کے ساتھیوں کی نسل ہے اور یہی آریں ہیں۔ یہی قوم نوح ہیں، یہی ملت نوح ہیں جو ایران و دیگر ممالک کے علاوہ ہندوستان میں بھی مقیم ہیں۔

کیا صابئین اہل ہند ہیں

مذکورۃ الصدر چار زاویوں میں حسن تطبیق سے دو ذرائع کی طرح ایک نتیجہ تو یہ طلوع ہوا کہ صابئین ہی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم ہیں اور دوسرا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ آریں اور ہندوستان کی قومیں ہی صابئین ہیں پھر ایک دور ایسا بھی آیا تھا کہ آریں، حملہ آور ہمیشہ کے لئے یہاں رچ بس گئے یعنی آریں بھی انڈین ہو گئے گویا تین سے پانچ ہزار سال قبل مسیح صابئین کی وسیع اکثریت ہندوستان میں جمع ہو گئی تھی۔ آریں صابئین ستارہ پرست تھے جبکہ ہندوستانی صابئین چاند پرست تھے۔ مگر غاصب مذہب نے چاند پرستوں کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ جیسا کہ سید قاسم محمود لکھتے ہیں ہندوؤں کے عقائد، آریوں کا مذہب، سیتا رتھ وید، رامائن و غیرہ ان کی مذہبی کتب ہیں ان کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ یہ چند کتب وید پر مشتمل ہیں جن کی تاریخ تشکیل کے بارے میں ہندوستان اور بین الاقوامی مؤرخین میں شدید اختلاف ہے بعض آراء کے مطابق یہ (وید) ازل سے چلی آ رہی ہیں اور خیالات کی رو سے یہ پانچ ہزار سال قبل مسیح میں مرتب ہوئی ان کا مذہب آریائی مذہب سے متاثر ہوا۔ ۱۵۲

اس حوالے سے کہ اہل ہندی صابئین ہیں اور یہی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم ہیں، محققین کے افکار و نظریات غلط فرمائیں۔ سید سلیمان ندوی صابئین کو قدیم ہندوستانی تسلیم کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مقصود اور خصال جس طرح اہل کتاب میں ہیں، اپنی اپنی عوامی کیفیت کی بناء پر وہی صورتیں متعین شدہ اہل کتاب میں بھی ہیں جن کی دو جماعتوں سے ہم کو قرآن نے متعارف کرایا ہے وہ نجوس اور صابئین ہیں جن میں ایران قدیم اور ہند قدیم کے باشندے بھی داخل ہیں۔ سید اسی سے ملتی

جانتی بات مولانا عبید اللہ سندھی نے بھی اپنے مضمون میں لکھی ہے کہ ایران اس زمانے میں آریہ یعنی صائبی قوموں کا مرکز بن چکا تھا، اس سے پہلے ہندوستان کو یہ مرکزیت حاصل تھی۔ ۱۸۔

ان دونوں حوالوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ صائبی قوموں کو ایران سے پہلے ہندوستان میں مرکزیت حاصل تھی اور صائبین مشابہ اہل کتاب ہیں، نیز ہمارے محققین علمائے تفسیر نے صائبین کے متعلق جو متضاد قیاسات تحریر کئے ہیں وہ سب کے سب اہل ہند پر پورے اترتے ہیں اگرچہ مفسرین نے مختلف قوموں کو صائبین قرار دیا ہے مگر فی زمانہ وہ جملہ تفسیریات و قیاسات اہل ہند میں ایک ہی جگہ پائے جاتے ہیں۔ ممکن ہے مختلف ادوار میں مختلف قومیں صائبین کی تعریف پر پوری اترتی ہوں۔ لیکن موجودہ دور میں یہ تعریضات و تفسیریات اسی ہندی قوم پر ہی صادق آتی ہیں، ہندو مذہب کے حقیقی مولانا شمس نوید عثمانی نے ہندوؤں اور صائبین کے مذہبی مشترکات میں جو تطبیق دی ہے اس کی مختصر تفسیر یہ ہے کہ موصوف عثمانی صاحب نے صائبین کے بارے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امام احنوف، ابو الثناء، ابن تیمیہ، امام غزالی، امام راغب اصفہانی، معلم، ابن جریر، ابن کثیر، امام سبکی، علامہ شوکانی، قاضی بیضاوی، عبدالمجید دریا بادی اور سید سلیمان ندوی کے مختلف اقوال اکٹھا کر کے نتیجے کے طور پر ہندوؤں اور صائبین کے کئی مذہبی مشترکات اخذ کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ اہل ہند ہی صائبین ہیں۔ ۱۹۔

اس امر کے متبحر ہونے میں کوئی التباس نہیں رہا کہ صائبین کا اطلاق اہل ہند پر ہی ہوتا ہے اور آریہ صائبین بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہزاروں برس پہلے ہندوستان میں آگئے تھے اور جو محققین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کشمیر اور ہندوستان میں آنے کے دعویدار ہیں وہ یہی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آریہ یعنی ہندی صائبین کو بھی پیغام حق پہنچایا تھا اور اسی طرف شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی اشارہ کیا ہے کہ۔۔۔ صحیح ضرور ایسے بزرگ تھے جنہوں نے اس تعلیم کو غیر اسرائیلی لوگوں میں بالفاظ دیگر صائبین یا آریہ قوموں میں بھی پہنچانے کی کوشش کی۔ ۲۰۔

اہل ہند قوم نوح ہیں؟

ویدک دھرم یعنی ہندوؤں کا مذہب مختلف طور پر تمام مذاہب میں سے قدیم ترین مذہب ہے جبکہ حضرت نوح علیہ السلام سب سے پہلے صاحب شریعت رسول ہیں، ویدک دھرم کی قدامت اور صاحب شریعت رسول ہونے میں حضرت نوح علیہ السلام کی اولیت کے مابین حسن تطبیق موجود ہے یعنی اہل ہندی قوم نوح ہیں چنانچہ فرامیسی مصنف اے، جے، اے ڈیو یوٹھس نے چالیس برس تک ہندو

تہذیب و تمدن اور ان کی مذہبی رسوم و رواج پر تحقیق کرنے کے بعد جو حقائق ان ضخیم کتاب لکھی ہے اس میں وہ لکھتے ہیں۔۔۔ عملی طور پر یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ جس سیلاب عظیم نے پوری دنیا کو صوفیستی سے نیست و نابود کر دیا تھا۔ اس کے فوراً بعد ہی ہندوستان آباد ہوا تھا۔ اہل یعنی ہندوستان کی انسانی آبادی حضرت نوح اور ان کے ساتھیوں کی نسل ہے یہی ڈیو یوٹھس مزید لکھتے ہیں۔۔۔ مختصر یہ کہ ہندو جس مشہور شخصیت سے بہت عقیدت رکھتے ہیں اس کا نام مہانوو (Mahanuvu) ہے جو سات رشیوں سمیت کشتی کے ذریعے طوفان سیلاب سے محفوظ رہے وہ شخصیت مہانوو، مہانوو، دو لفظوں کا مرکب ہے ایک مہا یعنی عظیم اور دوسرا نوو جو کہ بلاشبہ نوح ہی ہے۔۔۔ نیز اسی مہانوو ہے کو ویدوں اور پرانوں میں منوبھی کہا اور لکھا گیا ہے اور اس شخصیت سے مراد بھی حضرت نوح کو ہی لیا گیا ہے۔ چہ جائیکہ منو کا لفظ دیگر ہندو مذہبی شخصیات کے لئے بھی استعمال ہوا ہے لیکن ویدوں اور پرانوں میں مذکور منو سے مراد یقیناً نوح علیہ السلام ہیں جیسا کہ ویدوں کے انگریز شارح گریفٹھ نے رگ وید ۱۰۳ کے چوتھے اشلوک میں لفظ منو کی تفسیر میں لکھا ہے کہ۔۔۔ منو بھترین شخصیت کے حامل اور انسانوں کے نمائندہ تھے جملہ نوح انسانیت کے باپ اور پہلی شریعت کے شارح تھے۔ گریفٹھ کی یہ بات اس لئے قابل قبول ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے اولین صاحب شریعت رسول ہونے اور سیلاب عظیم کے بعد نسل انسانی کے باپ (آدم ثانی) ہونے میں کسی کو اختلاف ہی نہیں ہے۔

ہندو مذہب و تہذیب کے حقیقی ڈیو یوٹھس، منویا مہانوو کو (حضرت) نوح قرار دیتے ہوئے مزید لکھتے ہیں۔۔۔ یہ سات رشی جس کشتی میں سوار ہو کر (سیلاب کی) عالمگیر تباہی سے بچ گئے تھے اس کشتی کو وشنو یعنی خدا خود چار ہاتھ، بچ جانے والوں میں ایک اور عظیم شخصیت منو (مہانوو) کی تھی جسے میں نے دوسرے مقامات پر ثابت کیا ہے کہ وہ شخصیت نوح کے علاوہ کوئی نہیں تھی۔ نیز اسی سیلاب کا تفصیلی ذکر توریت و انجیل کے مقابلے میں ہندو کتب میں تفصیل سے ملتا ہے۔ ۲۳ علاوہ ازیں اہل ہند کے قوم نوح ہونے میں ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ اکثر قومیں اور ملتیں اپنے اپنے پیغمبر کے حوالے سے ہی اپنے سال یا سنین مقرر کرتے ہیں جیسے مسلمان حضور اکرم ﷺ کی ہجرت سے اپنا سن شمار کرتے ہیں عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے اپنا سن مقرر کرتے ہیں اسی طرح اہل ہند اپنے اہم واقعات کو سیلاب نوح سے شمار کرتے ہیں اس کے لئے یہ سیلاب نوح سے ہر ساٹھ سال کے دورانیہ یا فکد کو ایک اکائی یعنی ایک سال مانتے ہیں، اس کی تائید اے جے اے ڈیو یوٹھس کے اس بیرو گراف سے ہوتی ہے۔۔۔ ہندوؤں کا موجودہ یک، کل یک تقریباً سیلاب نوح کے زمانہ سے شروع ہوتا ہے۔ وہ اس واقعہ کو واقعی یا دھار واقعہ